Vol.2 No.4 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

فضل علی فضلی کی ''کربل کتھا'' کا تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ

(Research and Critical Study of Fazal Ali Fazli's "Karbal Katha"

محمد ریاض عابد،[1] عابد سلیم[2]

Abstract

"Karbal Katha" by Fazal Ali Fazli is a master piece in Urdu Litrature. It is an Urdu translation of "Roza-ul-Shuhda", a book written by Kamal-ul-Din Hussain Bin Ali Waeez Kashfi. He wrote it on the request of the prince of Harat Murshad Aldola in 908 hijrah، gained tremendous popularity in the public. Keeping in view this popularity, it was translated repeatedly which failed to gain appreciation from the public because of not being in simple language. Fazal Ali Fazli Translated it with the title " Karbal Katha.in 1145 hijrah. Since it was in a simple language, it became immensely popular in the public. Its historic and linguistic importance could not be denied. It is the first impression of Dehli language. It is important in the sense that no other writing in prose from the earliest time is available today. This master piece printed by Idara Tehkikat Urdu Patna has been compiled by Malik Raam and Mukhtar-u-Din Ahmad painstakingly.

Key Words: Fazal Ali Fazli, Karbal Katha, Translation, Roza-ul-Shuhda, Dehli language, First Prose

کلیدی الفاظ: فضل علی فضلی، کربل کتھا، ترجمہ، روضہ الشہداء، دہلی کی زبان، پہلی نثر

فضلی کی کربل کتھا دراصل کمال الدین حسین بن علی واعظ کاشفی کی کتاب روضۃ الشہدا کا اُردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب کاشفی نے ہرات کے شہزادے مرشد الدولہ کی فرمائش پر ۹۰۸ء ہجری میں لکھی تھی۔ اگرچہ اس میں کچھ ضعیف روایتیں بھی شامل ہو گئی ہیں لیکن اس کے باوجود اپنے موضوع پر یہ ایک بہت ہی کامیاب تصنیف ہے۔ یہ کتاب ایران میں، ہندوستان میں مجالس عزا میں کثرت سے

۱۔ پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور۔
۲۔ پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لوئر مال کیمپس، لاہور۔

پڑھی جاتی تھی۔ اس کتاب کا پڑھا جانا روضہ خوانی کہلاتا تھا۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ہندوستان اور ایران میں اس کے متعدد نسخے ملتے ہیں۔ مقبول ہو جانے والی کتابوں کے تراجم بھی ہوتے رہے ہیں۔ ترکی میں اس کا ترجمہ ''بغدادی فصولی'' اور ''سعادت نامہ'' کے ناموں سے کیا۔ ہندوستان میں اس کا ترجمہ پہلے دکنی زبان میں ہوا اور ''وسیلہ النجاب'' نام رکھا۔ پھر ریاض الطاہرین کے نام سے ترجمہ ہوا۔ اسی طرح گلشنِ شہیداں کے عنوان سے بھی ترجمہ ہوا ہے۔ لیکن جن زبانوں میں پر تراجم ہوئے یہ عام لوگوں کی زبان نہ بھی اس لیے ان تراجم کو وہ مقبولیت اور ہر دل عزیزی حاصل نہ ہو سکی جو روضۃ الشہدا کو حاصل تھی۔

اسی سلسلے کی ایک اور کاوش فضل علی فضلی کی کربل کتھا ہے۔ جس دور میں 1145ھ میں فضلی نے کربل کتھا لکھی اس دور میں فارسی زبان کا رواج بہت تیزی سے ختم ہو رہا تھا اور ہر جگہ اُردو زبان رواج پا رہی تھی تو ظاہر ہے مذہبی مجالس میں بھی اُردو زبان کو فروغ مل رہا تھا۔ فارسی زبان کم لوگوں کی سمجھ میں آپاتی تھی اس لیے اُردو زبان ہی وہ واحد زبان تھی جس کے ذریعے لوگوں کے مذہبی جذبات کو بیدار کیا جا سکتا تھا۔ فضلی نے اس ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے روضۃ الشہدا کے کسی خلاصے کو اُردو زبان میں ڈھالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس وقت فضلی کی عمر بائیس سال کے لگ بھگ تھی۔ ''کربل کتھا'' کی بنیاد چونکہ اس کتاب پر رکھی گئی ہے اس لیے اس کے ترجمے اور تلخیص میں بھی وہ خوبیاں پیدا ہو گئی ہیں

Vol.2 No.4 2019

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7617

کہ ''کربل کتھا'' اس دور کی اُردو نثر کی ایک قابل ذکر کتاب بن گئی ہے۔ کربل کتھا کا نام ہمارے علمی وادبی حلقوں میں بہت مصروف ہے۔ یہ خیال کرنا کہ فضلی نے یہ کتاب کس کے کہنے پر لکھی ہے تو اُس کے بارے میں مختلف رائے موجود ہے فضلی نے کربل کتھا میں شرف علی کا ذکر کیا ہے کچھ لوگوں کے خیال میں شرف علی، فضلی کے والد محترم تھے اور کچھ محققین اس بات کو نہیں مانتے ہیں اس لیے ہمارے نزدیل فضلی کا اپنا بیان زیادہ معتبر ہوگا۔

> ''باعث تصنیف اس نسخہ مسعودہ کا کہ ہر حرف اس کا ایک گلدستہ بوستانِ ولایت کا ہے...... موسوم یہ کربل کتھا اس سبب ہوا کہ قبلہ حقیقی اور کعبہ تحقیقی میرا نواب مستطاب...... اعنی نواب بابا ام نواب شرف علی خاں سلمہ اللہ الملک المنان...... تعریہ دار سید الشہدائے کربلا کا کہ حق تعالےٰ...... سایہ بلند پایہ اوس غلام دوازدہ امام کا مجھے عاصیِ رہی کے سرپر سلامت رکھے ہر سال تعزیہ حضرت اباعبداللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا (نیت اندرون محل مخفی/ بموجب حدیث شریف کہ التقیۃ دینی و دین آبائی و التقیۃ جنۃ بوجہ احسن بجالاتا تھا اور بندہ حقیر پر تقصیر حسب الارشاد اوس قبیلہ گاہ کے خلص روضتہ الشہدا کا سوناتھا۔ لیکن معانی اوس کے نساء وعورات کی سمجھ میں نہ آتے تھے اور فقراتِ پُر سوزو گراز اوس کتاب مذکورہ کے بسبب لغات فارسی اون کوں نہ رولاتے تھے۔ اکثر اوقات بعد کتاب خانی کے سبب یہ مذکور کرتے کہ صد حیف وصد اہزار افسوس جو ہم کم نصیب عبارت فارسی نہیں سمجھتے اور رونے کے ثواب سے بے نیاز و بے نصیب رہتے۔ ایسا کوئی صاحب شعور ہووے کہ کسی طرح من و عن ہمیں سمجھاوے اور ہم سے بے سمجھوں کو سمجھا کر رولاوے۔ مجھے احقر احقر کی خاطر میں گزار کہ اگر ترجمہ اس کتاب کا برنگینی عبارت و حسنِ استعارات ہندی قریب الفہم عامہ مومنین و مومنات کیجیے تو بموجب اس کلام بانظام کے کہ...... بُراثواب یاصواب لیجے...... پھیر دل میں یہ گزار کہ ایسے کام کرام کوں عقل چاہیے کامل اور مدد کسو طرف کی ہووے شامل...... ولہذا پیش ازیں کامل اس صنعت کا نہیں ہوا مخترع۔ اور اب تک ترجمہ فارسی بہ عبارت ہندی نہیں ہوئے۔(1)

فضلی کے اس بیان سے یہ بات بالکل واضع ہو جاتی ہے کہ اس کتاب کا اصل نام ''کربل کتھا'' ہی ہے۔ مولوی کریم الدین نے اگر اس کا نام ''وہ مجلس'' لکھا ہے تو اُس نے غلط لکھا ہے۔ دوسری بات یہ بھی سامنے آنی ہے کہ فضلی نے اس کتاب کو خاص طور پر مجالس میں پڑھنے کے لیے نقل کیا ہے۔ فضلی نے پوری روضتہ الشہدا کا ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے اُنہوں نے اس بات کا بھی خیال رکھا ہے کہ عبارت کی رنگینی کے ساتھ ساتھ عبارت عام فہم ہو اور عوام وخواص کی سمجھ میں آسانی سے آجائے فضلی نے یہاں یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ اُن سے پہلے روضۃ الشہدا کا ترجمہ عبارت بہ ہندی کسی اور نے نہیں کیا ہے اس دعویٰ کے معنی اسی دائرے تک محدود ہیں۔ حلقے میں اور خاص طور پر اپنے خاندان کی مجلسوں میں پڑھ کر سنائی جاتی تھی۔ فضلی نے اگرچہ روضۃ الشہدا کا ترجمہ کیا ہے لیکن دونوں کے متن کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اُنہوں نے لفظی ترجمہ کرنے سے گریز کیا ہے اُنہوں نے روضۃ الشہدا سے خیال لیا ہے اور اُسے اپنے خیال کے مطابق اُردو زبان میں ڈھال دیا ہے مالک رام اور مختار الدین احمد مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> ''بے شک فضلی نے روضۃ الشہدا کے مضامین کو عام فہم اُردو(ہندی) میں منتقل کرنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن روضۃ الشہدا اور کربل کتھا کے باہمی مقابلے سے معلوم ہوتا ہے کہ فضلی نے لفظی ترجمہ نہیں کیا، بلکہ اس کے مضمون اور مفادد کو اُردو کے قالب میں ھالنے کی کوشش کی ہے۔ اس پر اضافہ بھی کیا ہے اور کہیں کہیں انحراف کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ ایسے مقامات کی حواشی میں افشان دہی کر دی گئی ہے بحثیت مجموعی کربل کتھا کی عبارت روضۃ الشہدا سے اتنی مختلف ہے کہ اسے بجا طور پر فضلی کی مستقل تالیف قرار دیا جا سکتا ہے۔(2)

Vol.2 No.4 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کربل کتھا کے بارے میں اک خیال یہ بھی ہے کہ چونکہ یہ کتاب اپنی ذاتی ضرورت کے لیے لکھی گئی تھی اس لیے اس کا پہلا مسودہ پندرہ سال تک منظر عام پر نہیں آیا اس بارے میں ڈاکٹر جمیل جالبی کی بات میں جان نظر آتی ہے۔

> ''چھپ کر تعزیہ داری کرنے کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ محمد شاہ بادشاہ نے عبداللہ خاں اور سید حسین علی خاں سے نجات حاصل کر کے اُن کے افراد خاندان پر جلسہ جلوس اور ایک جگہ جمع ہونے پر پابندیاں لگادی ہوں تاکہ ساداتِ بارہہ دوبارہ سر نہ اُٹھا سکیں اس لیے اُس خاندان کے لوگ تعزیہ داری بھی چھپ کر کرتے تھے۔(3)

فضلی نے کربل کتھا شرف علی کے کہنے پر لکھی ہے اس پر بھی مختلف محققین کی رائے مختلف ہے لیکن بقول مالک رام اور مختار الدین احمد وہ اُس کے بڑے قریبی عزیز تھے بلکہ گمان یہ گزرتا ہے کہ شائد وہ اُس کے والد تھے کیونکہ جس انداز سے فضلی نے انہیں مخاطب کیا ہے اُس انداز سے کسی رشتہ دار یا عزیز کو مخاطب نہیں کیا جاتا۔ فضلی انہیں اپنا قبلۂ حقیقی اور کعبہ تحقیقی قرار دیتے ہیں لکھتے ہیں ''نواب بابام'' اور دُعا کی کہ خدا'' سایہ بلند پایہ اوس غلام دوازدہ امام کا مجھ عاصی کے سر پر سلامت رکھے'' پر آگے اُن کے لیے ''قبلہ گاہ'' کا لفظ استعمال کیا ہے یہ ساری باتیں خاص طور پر ''قبلہ گاہ'' اور ''بابا'' کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ شرف علی فضلی کے حقیقی والد تھے۔

کربل کتھا کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فضلی فارسی زبان کو اچھی طرح جانتے تھے تبھی وہ ایسا خوبصورت ترجمہ کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔ اگرچہ اصل فارسی عبارت کو سمجھنے میں اُن سے کہیں کہیں چوک ہوئی ہے۔ مالک رام اور مختار الدین احمد نے دیباچے میں اس کا ذکر کیا ہے کہ :

آپ زرہ بکتر علی الکبر کو پہنچائے، اور ٹپکا حضرت آدم کا اوس کمر میں باندھ، خودی فولاد سر پر رکھ ہتھیار بندھائے اب دیکھئے فضلی حضرت آدم کا ٹپکا کہاں سے لے آئے حالانکہ لفظ ''کمیر ادیم'' تھا جس کا مطلب ہے چمڑے کا ٹپکا لیکن فضی نے اُس کا ترجمہ کمر آدم کر دیا ہے۔ پھر ٹپکا تو حضرت علی کا تھا۔ فضلی نے اسے بھی نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ یہ بڑی مشہور روایت ہے اور عام ذاکر بھی اس سے واقف تھے۔

کُرتا تنِ اطہر میں رسول عربی

زیب کمر پاک، کمر بند علی کا

کربل کتھا کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فضلی عربی زبان بھی اچھی طرح جانتے تھے لیکن عربی جاننے اور خود لکھنے میں فرق ہے اس لیے جب خود لکھتے ہیں تو اُس میں اغلاط کا امکان کچھ اور بڑھ جاتا ہے۔ کہیں اُنہوں نے اپنی طرف سے الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے اور کہیں تو حد ہی کر دی اور قرآنی آیات کو ملا کر لکھ دیا ہے۔

کربل کتھا کے قلمی نسخے کی دستیابی کے متعلق بھی مختلف رائے پائی جاتی ہے ایک عام رائے جو پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ فضلی کی کربل کتھا کا قلمی نسخہ جو منشی کریم الدین کے پاس موجود تھا اس کا ذکر 1948ء سے پہلے کہیں نہیں ہوا اور نہ ہی فضلی کو کسی معاصر تذکرے میں جگہ ملی ہے۔

منشی کریم الدین نے پہلی بار 1948ء میں طبقات ''الشعرائے ہند'' میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس میں سے لمبے لمبے اقتباسات بھی نقل کیے ہیں۔ یہی اقتباسات مختلف تصانیف میں بار بار نقل ہوئے ہیں یوں پہلی بار تاریخ کے صفحات پر اُردو نثر کے حوالے سے فضل کا ذکر ہوا ہے لیکن کربل کتھا پھر بھی نظروں سے اوجھل رہی ہے۔ کریم الدین کے پاس اُس قلمی نسخے کے حوالے سے کافی لوگ اتفاق کرتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ اشپرنگیر کے پاس جو قلمی نسخہ تھا وہ دراصل وہی نسخہ تھا جو منشی کریم الدین کے پاس تھا اور اشپرنگر نے قیمتاً اُسے خرید لیا تھا اور پھر جب وہ واپس گی تو یہ نسخہ بھی ساتھ لے گیا۔ لیکن ڈاکٹر جمیل جالبی اس بات سے اختلاف کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ منشی کریم الدین نے گاسِاں دتاسی کو بھی اس کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں لیکن اس کا یہ ہر گز مطلب نہیں ہے کہ اُن کے پاس کوئی قلمی نسخہ موجود تھا۔ وہ گارساں دتاسی کی کتاب ''تاریخ ادبیات ہندوستانی'' سے ایک اقتباس بھی نقل کرتے ہیں:

Vol.2 No.4 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

''ڈاکٹر اسپرنگر کے پاس اس کتاب کا قلمی نسخہ ہے جو دہلی سے 1850ء میں شائع ہوا تھا۔ مندرجہ بالا تفصیلات کریم الدین کے ذریعے حاصل ہوئی ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس کتاب کو دورِ جدید کی کتابوں کی صف میں جگہ نہیں مل سکتی کیونکہ اس دور کی کتابوں کا انداز بیاں زیادہ شگفتہ اور سلیس ہے..... بہر حال کریم الدین کے مطابق فضلی کی کتاب کو یہ فوقیت ضرور حاصل ہے کہ یہ روضۃ الشہدا کا اُردو میں سب سے پہلا ترجمہ ہے''۔(4)

1853ء میں جب مختار الدین احمد یورپ جا رہے تھے تو قاضی عبدالودود نے اُن کو کربل کتھا کو تلاش کرنے کے لیے کہا تھا۔ 1956ء میں جب وہ واپس آئے تو کربل کتھا کی عکسی نقل اپنے ساتھ لائے جو اُنہیں تلاش و بسیار کے بعد ٹوبنگ (جرمنی) میں ذخیرہ اشپرنگر سے دستیاب ہوئی تھی۔ جس کی دلچسپ داستاں انہوں نے کربل کتھا کے مقدمے میں سُنائی ہے کچھ عرصہ بعد کربل کتھا کی ایک نقل ڈاکٹر خواجہ احمد فاروق نے ٹوبنگ سے حاصل کی اور 1961ء میں اسے طبع کر کے یکم اپریل 1961ء کے ایک جلسے میں پنڈت جواہر لال نہرو کو پیش کی لیکن طباعت کے باوجود کربل کتھا شائع نہیں کی گئی۔

1965ء میں مالک رام اور مختار الدین احمد کی سلیقے سے مرتبہ کربل کتھا شائع ہو کر شائقین ادب تک پہنچی لیکن یہ بھی کربل کتھا کی پہلی اشاعت نہیں تھی بلکہ جیسا کہ کریم الدین نے گارساں دتاسی کو بتایا اور جس کا حوالہ اوپر آچکا ہے کہ ''ڈاکٹر اشپرنگر کے پاس اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ ہے جو دہلی سے 1850ء میں شائع ہوا تھا۔

اس بات کی تصدیق ''صوبہ شمالی اور مغربی کے اخبارات اور مطبوعات'' سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ ''وہ مجلس'' مطبع العلوم دہلی سے 200 کی تعداد میں چھپی تھی۔ ایک کتاب کی قیمت آٹھ آنے تھی اور جب یہ رپورٹ 1850ء میں مرتب ہوئی۔ اس کی سو کاپیاں فروخت ہو چکی تھیں۔ کریم الدین کے ان الفاظ سے کہ اس تمام کتاب کو میں نے دیکھا۔ وہ میرے پاس موجود تھی۔

اس بات کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ انہوں نے اسی مطبوعہ نسخے سے اپنے تذکرے میں طویل اقتباسات درج کیے تھے اور اسی مطبوعہ نسخے کے حوالے سے جس کی بنیاد اشپرنگر کے نسخے پر رکھی گئی تھی۔ اُنہوں نے گارساں دتاسی کو بھی معلومات فراہم کی تھیں۔ اگر کریم الدین کے کربل کتھا کا یہ نسخہ، جیسا کہ ڈاکٹر مختار الدین احمد نے لکھا ہے، اشپرنگر کو دیا ہوتا تو وہ گارساں دتاسی کو یہ بھی لکھتے کہ اشپرنگر والا نسخہ میرا ہی دیا ہوا ہے اور اگر ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور نسخہ ہوتا تو وہ گارساں دتاسی کو اس بارے میں بھی معلومات فراہم کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ کریم الدین کے پاس کربل کتھا کا کوئی نسخہ نہیں تھا۔

کریم الدین نے اپنے تذکرے میں شائد مطبوعہ نسخہ 1850ء سے ہی اقتباسات درج کیے تھے اور یہ مطبوعہ نسخہ اشپرنگر کے نسخے پر مبنی تھا تو پھر 1965ء کی مطبوعہ کربل کتھا جو اسپرنگر کے قلمی نسخے پر مبنی ہے اور ان طویل اقتباسات میں جو کریم الدین نے اپنے تذکرے طبقات الشعرائے ہند میں دیے ہیں، کیوں فرق ہے۔

1850 کے مطبوعہ نسخے (وہ مجلس) میں جس میں کریم الدین نے اقتباسات دیئے ہیں مرتب کرنے والے نے چار کام کیے ہیں ایک یہ کہ اس کو مروجہ املا کے مطابق کر دیا تھا۔ مثلاً سونا تا کو سناتا۔ سونتے ہی کو سنتے کوپی کو کپی وغیرہ کر دیا ہے۔ انیسویں صدی کے املا میں واو کے بجائے پیش کا استعمال معیار سمجھا جائے گا۔ دوسرا یہ کہ بہت سے قدیم الفاظ کی جگہ مروجہ زبان کے الفاظ رکھ دیئے جائے گا۔ مثلاً خلص کی جگہ خلاصہ، نساء و عورات کی جگہ عورتیں کوں، موں کی جگہ کو اور میں پھیر کی جگہ پھر اور حسب الخواہش کی جگہ حسب خواہش وغیرہ کو کر دیا۔ تیسری یہ کہ جہاں فضلی نے عبارت آرائی کی تھی وہاں سے کچھ ایسے جملے یا فقرے نکال دیئے ہیں جن سے مفہوم متاثر نہ ہو۔ اسی طرح صفات و اسمائے صفات بھی کہیں کہیں نکال دیئے ہیں۔

مثلاً نسخہ سپرنگر مطبوعہ 1965ء کے صفحہ نمبر 37 کی عبارت سے قبلہ حقیقی اور کعبہ تحقیقی میرے نواب مستطاب معلی القاب'' کے بعد دو سطریں نثر کی اور 5 اشعار فارسی کے چھوڑ کر اس کا سرا ''اعنی نواب باہام نواب شرف علی خاں سلمہ اللہ الملک المنان'' سے ملا کر چار پانچ الفاظ ایک شعر اور ڈھائی سطریں نثر کی چھوڑ کر پھر اس کا سرا ''ہر سال تعزیہ حضرت اباعبداللہ حسین..... سے جوڑ دیا ہے۔ چوتھا کام یہ کیا ہے کہ بعض جملوں کو اس دور کے روز مرہ و محاورہ کے مطابق بدل دیا؛ مثلاً اشپرنگر کے نسخے کا یہ جملہ ''ایک شخص

Vol.2 No.4 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

میرے ہی ساتھ آ کہا" کریم الدین کے اقتباس میں "ایک شخص میرے ہی ساتھ کا آیا" اوس نے کہا" کی صورت میں ملتا ہے۔اسی طرح "اوس روضہ منورہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ مانند عمارت حضرت قدیم شریف ہے"

واعظ کاشفی کے روضۃالشہدا میں دس باب ہیں اور ایک خاتمہ ہے لیکن کربل کتھا میں فضلی کے دیباچے اور مقدمے کے علاوہ فاتحات بھی شامل ہیں جو اُردو نظم میں ہیں۔دیباچہ اور مقدمہ تو خود فضلی کا ہے لیکن فاتحات کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ آیا یہ بھی اُس فارسی خلاصے میں شامل تھے جس سے فضلی نے ترجمہ کیا ہے یا یہ خود فضلی کا اضافہ ہیں۔

فاتحات کے بعد بارہ مجلسیں ہیں۔ان کے بعد "خاتمہ" کے عنوان کے تحت پانچ فصلیں ہیں۔پہلی مجلس میں نبی کریمؐ کے وصال کا بیان ہے۔اس میں حضرت حسن، حسین علی و فاطمہ کی قربت اور آنحضرت کی ان سے غیر معمولی محبت کا بیان سے اپنے خاص موضوع کے لیے سننے والوں کے ذہن کو تیار کیا گیا ہے۔دوسری مجلس میں حضرت فاطمہ کے وصال کی بات کی گئی ہے۔یہاں بھی حضرت فاطمہ کو جو محبت حضرت علی اور حضرت حسن اور حسین سے تھی اُس کو نمایاں کر کے ابھارا گیا ہے۔اس میں حضرت حسن اور حسین کے کرداروں کو نمایاں کیا گیا ہے۔تیری مجلس میں حضرت علی کے وصال پر ملال کا بیان ہے۔

چوتھی مجلس میں حضرت حسن کے وصال کا بیان ہے اور ایسونیہ دلالہ کے بہکانے پر اسماء کا حضرت حسن کو زہر دینے کی تفصیلات پر اثر پیرائے میں بیان کی گئی ہیں۔پانچویں مجلس میں حضرت امام حسین کی ایما پر مسلم بن عقیل کے کوفے جانے اور شہید ہونے کی تفصیلات درج کی گئی ہیں۔چھٹی مجلس میں جو اظہار بیان کے لحاظ سے کربل کتھا کا سب سے اہم حصہ ہے، حضرت مسلم بن عقیل کے دو بیٹوں محمد اور ابراہیم کی شہادت کا بیان ہے جن کا سر کاٹ کر دریائے فرات میں بہا دیئے گئے تھے۔

ساتویں مجلس میں حضرت حر کی بہادری اور شجاعت کا بیان ہے جو میدان جنگ میں سب سے پہلے شہید ہوئے آٹھویں مجلس میں حضرت قاسم کا بیان ہے۔میدان جنگ میں جانے سے پہلے امام حسین اپنی بیٹی سے اُن کی شادی کرتے ہیں اور شادی کے فوراً بعد وہ بھی داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں۔

نویں مجلس میں عباس عملدار کی شہادت کا بیان ہے۔دسویں مجلس میں شبیہ رسول حضرت علی اکبر کی شہادت کا بیان ہے۔گیارہویں مجلس میں حضرت علی اصغر کی شہادت کا بیان ہے اور بارھویں مجلس میں حضرت امام حسین کی شہادت کا بیان ہے۔

جس کے لیے گیارہ مجلسوں میں سننے والوں کے ذہنوں کو تیار کیا گیا تھا۔اس کے بعد خاتمہ ہے اور "خاتمہ" کی پہلی فصل میں نتیجے کا بیان ہے۔دوسری فصل میں وہ واقعات بیان کیے گئے ہیں جب یزید کے کارندے امام حسین کے سر کو ملک شام لے کر جاتے ہیں۔

یہاں عجیب و غریب اور مافوق الفطرت واقعات اور کرامات سے سماں باندھا جاتا ہے۔تیسری اور چوتھی فصل میں اسی قسم کے واقعات بیان کر کے سننے والوں میں رونے کے جذبات پیدا کیے گئے ہیں۔پانچوں اور آخری فصل میں چہلم کا بیان ہے۔یہ ہے "کربل کتھا" کی ترتیب جو کاشفی کے روضۃالشہدا کی ترتیب کے عین مطابق ہے۔

ساری کتاب میں جہاں شدت جذبات کے اظہار کا موقع آتا ہے وہاں نظم سے کام لیا گیا ہے۔مدح ائمہ، مناقب اور خصوصیت کے ساتھ مرثیوں سے بھی یہی کام لیا گیا ہے۔مرثیوں کے ارتقا کی تاریخ میں فضلی کے ان مراثی کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔اس میں مربع مرثیے بھی ہیں اور مخمس مرثیے بھی۔"کربل کتھا" کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ کتاب الگ الگ ٹکڑوں کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ ایک مجلس کا دوسری مجلس سے گہرا رشتہ قائم رہتا ہے اور پڑھنے یا سننے والا ایک مجلس کا دوسری مجلس کے لیے ذہنی طور پر تیار رہتا ہے۔واقعات کو اس طور ترتیب دے کر ایک ایسا تسلسل پیدا کیا گیا ہے کہ "کربل کتھا" کی ساری مجلسیں اور خاتمہ کی پانچوں فصل ایک وحدت بن جاتی ہیں۔"کربل کتھا" میں ایک اچھی تصنیف کی طرح وحدت فکر، وحدت بیان اور وحدت اثر کی خصوصیات موجود ہیں۔

یہ سب خصوصیات ملا کاشفی کی روضۃالشہدا ہی سے فضلی کی "کربل کتھا" میں آئی ہیں۔جزئیات نگاری روضۃالشہدا کی خصوصیت ہے لیکن ملا کاشفی نے جزئیات میں اختصار کو اس درجہ ملحوظ رکھا ہے کہ سننے یا پڑھنے والا اکتا نہ جائے۔اس کے لیے کاشفی نے جزئیات کو اختصار کے ساتھ بیان کر کے واقعات کی رفتار کو اس طرح تیز کر دیا ہے جیسے فلم دیکھتے

Vol.2 No.4 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

ہوئے بہت سے مناظر تیز ی کے ساتھ ہماری آنکھوں کے سامنے آتے ہیں اور غائب ہو جاتے ہیں لیکن ان کے اثرات اس واقعے کو ابھارنے اور ذہن نشین کرنے میں مدد کرتے ہیں۔یہی خصوصیت ''کربل کتھا'' میں موجود ہے۔

اس بات کو سمجھنے کے لیے یہ چند جملے دیکھیے۔حضرت 'حر میدان جنگ میں عمرو سعد کو للکارتے ہیں۔یہاں جزئیات موجود ہیں لیکن اختصار نے واقعات کی رفتار کو تیز کر دیا اور ہم ساری تصویر ایک پل میں دیکھ لیتے ہیں۔

> ''تب حر آگے آ: کہا''اے عمرو سعد! حسین ساتھ لڑے گا؟'' کہا''ہاں'' حر کہا''اس لڑائی میں بہت تن بے سر ہوئیں گے۔'' پھر حر گھوڑا پھیرا، میدان میں آ، اپنے بھائی کو کہاں ''اے بھائی میں نے بہشت اختیار کیا''اور گھوڑا اوٹھا حضرت پاس آ، پیادہ ہو، رکاب مبارک چوم، مونہہ اپنا ذوالجناح کے ''سموں پر رکھ، کہا''یا ابن رسول اللہ مجھے گمان نہ تھا کہ یہ لوگ قدر ترا کریں۔''(5)

جزئیات میں اختصار اور اختصار میں جزئیات ''کربل کتھا' کی نثر کی بنیادی خصوصیت ہے۔

''کربل کتھا'' کی نثر میں جوش بیاں بھی ہے اور شدت جذبات بھی لیکن فی سطح پر ان میں ایک ایسا توازن ہے کہ لبالب بھرے ہوئے کٹورے سے پانی نہیں چھلکتا۔ایک اچھے خطیب، ایک اچھے مجلس خواں اور ملا کاشفی کی طرح فضلی کو بھی اس بات کا احساس ہے کہ بے توازن جذبات شدت اثر کو سست و کند کر دیتے ہیں۔''کربل کتھا''کی نثر آج سے تقریباً ڈھائی سو سال پہلے کی نثر ہے لیکن فضلی نے نثر کے آہنگ میں اس دھیمے پن کو باقی رکھا ہے جو جذبات کی تہذیب کرتا ہے۔

غام اور اداسی کا دباد بالمجد ساری کتاب پر چھایا ہوا ہے۔لیکن اس کا اتار چڑھاؤ موقع و محل کے مطابق ہوتا ہے اور یہ وہ توازن ہے جس نے ''کربل کتھا'' کی نثر کو ایک آزاد ترجمہ ضرور ہے لیکن اُردو نثر کو سنوار کر اظہار میں نکھار پیدا کرنے کا عمل فضلی کا اپنا ہے۔اس لہجے میں آہنگ کو اس دور میں اُردو نثر میں پیدا کرنا جب، نثر ابھی چلنا سیکھ رہی تھی، فضلی کا کمال ہے۔

یہ کتاب چونکہ عورتوں کی مجلسوں میں سنانے کے لیے لکھی گئی تھی اس لیے فضلی نے ان کی زبان میں اور ان کے محاوروں کو بھی اپنے اسلوب میں شامل کرنے کی شعوری کوشش کی ہے۔لکھنے والے کا مقصد عقیدت مندوں کے مخصوص نقطہ نظر اور جذبات کو ابھارتا تھا اسی لیے اس میں مختلف روایات اور خیالی واقعات کو اس طور پر گوندھا گیا ہے کہ عقیدت مندوں کے جذبات آسودہ ہو جائیں۔کہیں پریوں کے قصے سے بیان میں دلچسپی کا رنگ بھرا گیا ہے۔

کہیں خوابوں کے بیان سے دلچسپی پیدا کی گئی ہے۔کہیں غیبی آواز اور محیر العقول واقعات سے محریت کا سماں باندھا گیا ہے۔اسی وجہ سے، پرانی زبان و محاورہ کے باوجود، ''کربل کتھا' کو آج بھی دلچسپی کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے۔مجلسوں میں رونا رلانا شیعہ مذہب میں ثواب ہے۔

فضلی ''کربل کتھا'' اس فضا کو برقرار رکھتے ہیں اور عقیدت مندوں کو زیادہ سے زیادہ رُلانے کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔''کربل کتھا'' میں رونے کی اہمیت پر بار بار زور دیا گیا ہے لیکن وہ بھی اس طور پر کہ وہ ایک مذہبی فریضے کی حثیت سے سننے والے پر اثر کرے اور مجلس سنانے والے کی شعوری کوشش کا انہیں احساس بھی نہ ہو۔وہ رونے کے فلسفے کو بیچ بیچ میں بیان کر کے سننے والے کے اندر رونے کا احترام پیدا کرتا ہیں تا کہ جب وہ روئے تو بے ساختہ روئے اور رونے میں ثواب حاصل کرنے کا خیال ذہن میں موجود رہے۔تیسری مجلس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

Vol.2 No.4 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"لیکن رونا میرا ان بچوں مظلوم کے لیے ہے کہ اب دردِ غریبی میں مبتلا ہیں اور بعد میں میرے سوز یتیمی میں گرفتار ہوئیں گے۔ پھر کہے اے حاضران! سلام میرا غائبوں کوں پہونچائیوں اور یہ سنائیو کہ جب میرے بچوں کوں شہید کریں اور تمیں خبر پہنچے، ان کی مصیبت پر روئیو کہ رونا تمہارا واسطے میر ی اولاد کے ضائع نہ ہوگا۔"(6)

گیارہویں مجلس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

"اور میرے پیچھے سر اور بال نہ کھولیو اور مونہہ پر طمانچے نہ ماریو، چہرہ اور سینہ نہ نوچیو اور گریبان و جامہ چاک نہ کریو کہ عادت جاہلوں کی ہے لیکن رونے کوں منع نہیں کرتا کہ تم لیکن و مظلوم ہو....."(7)

"کربل کتھا" کا یہی وہ اسلوب ہے جو اُبھرتا ہوا نیا اُردو اسلوب ہے جس میں اظہار کی قوت بھی ہے اور اُردو پن بھی۔ یہاں فارسی اسلوب کے بجائے اُردو زبان کا تہذیبی مزاج رنگ بھر رہا ہے۔ اسی اسلوب میں فضلی موقع و محل کے مطابق تبدیلی کرتے جاتے ہیں۔ جنگ کا بیان کرتے ہیں تو اس میں رزمیہ لہجے سے مردانہ پن پیدا کر دیتے ہیں۔ پریوں کا ذکر کرتے ہیں تو لہجے میں ٹھنڈک سی ملا دیتے ہیں۔ خواب کا بیان کرتے ہیں اور اس میں ہلکے سے جذبات شامل کر کے اپنے مقدر کو آگے بڑھانے میں مدد لیتے ہیں۔ جہاں مکالمہ یا بات چیت دکھاتے ہیں وہاں روز مرہ و محاورہ سے اسلوب میں جان ڈال دیتے ہیں۔ جہاں خطابت کی ضرورت پڑتی ہے وہاں بلند آہنگ الفاظ کو اس طور پر ترتیب دیتے ہیں کہ اثر بڑھ جاتا ہے اور خطیبانہ روانی باقی رہتی ہے۔ امام حسین میدان جنگ میں جا کر خطاب کرتے ہیں:

"اے قوم ڈرو اوس خدا سے کہ دن سے رات کرتا ہے اور رات سے دن۔ مارتا اور جواتا، روزی دیتا اور جان لیتا۔ اگر اوس خدا پر اقرار رکھتے ہو اور اوس کے رسول محمدؐ مصطفی پر کہ نانا میرا ہے، ایمان لائے ہو، پس مجھ پر ستم نہ کرو اور ظلم روانہ رکھو اور ڈرو فردائے قیامت سے کہ جب نانا اور باپ ماں میرے تم سے دشمنی کریں اور حوض کوثر سے تمہیں پانی نہ دیں۔"(8)

کربل کتھا کی لسانی اہمیت اور اردو زبان کی تاریخ میں اس کے نمایاں مقام سے کسی کو انکار نہیں ہو سکا۔ یہ کتاب دہلوی زبان کا پہلا نقش ہے۔ اس عہد تک اردو زبان میں کوئی نثری کتاب دستیاب نہیں ہے۔ یہ کتاب اُس عہد میں لکھی گئی ہے جب بڑے بڑے امیروں کے گھروں میں بھی فارسی کا چلن کم ہونے لگا تھا اور دن بدن اُردو زبان رواج پا رہی تھی۔ اُس عہد میں اردو کوچہ و بازار میں بخوبی سمجھی جانے لگی تھی۔ سب کے سب لوگ اس کو آسانی سے سمجھتے تھے۔ یہ اس وجہ سے بھی ہے کہ اُس وقت تک زبان کی جزئیات متعین نہیں ہوئی تھیں جس طرح سونا جب تک کٹھالی میں ہے اُس کی کوئی اہمیت نہیں ہے جب ہم اُسے باہر نکالتے ہیں تو کوئی بھی شکل دے لیتے ہیں۔ ایسے ہی زبان بھی لفظوں کا اک ڈھیر ہے جب کہ الفاظ کو جملوں اور ترکیبوں میں تبدیل کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔

ابتدائی دور میں یہ محض تبادلہ خیال کرنے کا ذریعہ ہے۔ ایسے دور میں کوئی اس بات کا خیال نہیں کرتا کہ لفظ مذکر ہے یا مونث اُس وقت صرف بات دوسرے تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ لیکن اگر کربل کتھا کا مطالعہ لسانی حوالے سے کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ اگرچہ اس وقت اردو زبان اچھی خاصی ترقی کر چکی تھی لیکن ابھی اُس کیلئے کوئی بھی املا ہی غیر یقینی تھا، ایک ہی لفظ کو ایک طریقے سے بھی لکھا جا سکتا تھا اور کسی دوسرے طریقے سے بھی .....اور اُس عہد میں اب بات کو قابل اعتراض خیال نہیں کیا جاتا تھا۔

اردو زبان بنیادی طور پر آریائی خاندان سے تعلق رکھتی ہے اس میں سنسکرت زبان کے الفاظ کی ملاوٹ اک عام بات ہے یہ لفظ آہستہ آہستہ اس کا ہی حصہ بن جاتے ہیں لیکن فضلی نے اس میں خلاف معمول پنجابی لہجہ میں استعمال کیا ہے اور پنجابی زبان کے بہت سے الفاظ جیسے نال، سٹ، کھیلان، کلھ، رُلے، چنگا کا ہلا، کاڑھ، سار، بھوئیں، گھنڈی پڑنا، سوانی، ریانی، پھویا، جھوٹھا، چوئے۔

Vol.2 No.4 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

یہ سب پنجابی زبان کے لفظ ہیں۔آج صدیاں گذر گئی ہیں مگر پنجابی زبان زبان کے لفظ آج بھی اپنے انہیں معنوں میں استعمال ہوتے ہیں جن معنوں میں فضلی نے اُنہیں استعمال کیا ہے۔ فضلی نے ان الفاظ کا استعمال بر محل اور برجستہ کیا ہے۔اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فضلی پنجابی زبان سے بھی خوب واقف تھے۔

فضلی چونکہ فارسی سے ترجمہ کر رہے تھے اس لیے وہ فارسی ترکیبیں اور الفاظ کثرت سے استعمال کرنے پر مجبور تھے۔اس کے علاوہ فضلی نے ہندی اور فارسی لفظوں کو ملا کر ایسی ترکیبیں بنائی ہیں جو موجودہ دور میں بالکل اجنبی ہیں اور ہمارے لیے بالکل نا قابل قبول ہیں۔

۱۔ دوکھ کشیدہ ہے مادرِ حسنین

۲۔ صف غم میں بحر دوکھ کا مقیم

۳۔ اے محبان یک تن و من

۴۔ صاحبِ بھید سید البشر

۵۔ ہر ساعت صحنِ گھر میں نکل آسماں کوں دیکھ فرماتے

یہاں غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحن گھر، دوکھ اور ایسے ہی سینکڑوں الفاظ ہیں جن کو فضلی نے پیوند لگا کر نئی ترکیب بنائی ہے۔ فضلی کے زمانے میں اردو لکھنے کا بالکل رواج نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ جب تک کوئی زبان لکھی نہیں جائے گئی اُس وقت تک اُس کے ہجوں اور املا کا معیار کیونکر قائم ہو سکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ کربل کتھا میں ایک ہی لفظ کئی طریقوں سے لکھا ہوا ملتا ہے۔

کتاب خانی: بعد کتاب خانی سب یہ مذکور کرتے(9)

کتاب خوانی: بعد کتاب خوانی اور سینہ زنی کے ایک فاتحہ مخفی.....پڑھا(10)

لوہو: اور جگہ ہمارے لوہو گرنے کی(11)

لہو: مسجد سے مجکوں لے چلو اب گھر لہو لوہان(12)

دھنوا: دھنوا اوس گھر سے اوٹھادے(13)

دھونوا: دھونوا اس کے دل سے اُٹھا(14)

پانو: پانو گھوڑے کے پکڑے(15)

پاؤں: داہنا پاؤں بائیں پاؤں پر رکھے(16)

جھوٹا: تمہیں رسوا اور جھوٹا کیا(17)

جھوٹھا: تمہیں کیسا جھوٹھا کیا(18)

Vol.2 No.4 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

توباہ: خدایا! توباہ کیا میں (19)

توبہ: پس اگر توبہ میری قبول ہوئی(20)

تعجب اس بات پر ہے کہ بہت سارے ایسے الفاظ جو عام طور پر ہم س سے لکھتے ہیں فضلی نے اُن کو ث سے لکھا ہے۔ مثلاً سات کی جگہ ثات، ساتویں کی جگہ ثاتویں، میں کی جگہ مثیں اُسی کی جگہ آثی، ڈھارس کی جگہ، ڈھارث، فلسطین کا مشہور شہر عسقلان ہے اسے عثقلان لکھا ہے۔ املا کی یہی غیر یقینی صورت حال اور بھی کئی جگہ نظر آتی ہے جیسے کئی جگہوں پر افعال کا لاحقہ الگ لکھا ہے۔ مثلاً بیٹھ تی۔ پہن تی، پیٹ تی، اولٹ تی، بحث تی، ڈھونڈھ تا، چاٹ تا کھسوٹ تا جیت تا، لوٹ تھا، مردانہ گی، شمشاہ گی، خانہ دان وغیرہ ایسے ہی انہوں نے تذکیر وثانیث کا بھی کچھ خاص خیال نہیں رکھا ہے۔ وہ بھی اس عہد میں کیسے مذکر مونث کا خیال رکھ سکتے تھے جبکہ کچھ الفاظ ایسے ہیں جن کا ہم آج تک بھی فیصلہ نہیں کر سکے کہ وہ مذکر ہیں کہ مونث ایک ہی وقت میں ایک لفظ اگر دہلی میں مذکر ہے تو وہی لفظ لکھنو پہنچ کر مونث قرار پاتا ہے۔ اگر لکھنو میں کوئی لفظ مونث بولا جاتا ہے تو دہلی والے اُسے مذکر لکھیں اور پڑھیں گے۔

۱۔ اے پدر! جان میرا قربان تیرے(21)

۲۔ جان اپنا جان دینے والے کو سونپا(22)

۳۔ یاابن رسول اللہ! جاں میرا قربان تیرے(23)

۴۔ اے شیر دیں! جاں کیا تجھ پر فدا عباس نے(24)

۵۔ بچی بچاری کا اب مفت جان جاتا ہے۔(25)

۶۔ پس اگر توجہ میری قبول ہوئی۔ جان میرا ے(26)

۷۔ ملعون نے قبول کیا تو سوگند کھایا(27)

عربی لفظوں کی جمع الجمع بنانے کا رواج جو پہلے بھی تھا اب بھی ہے اور بدلا نہیں ہے۔

ابراراں، عقلاؤں، بلغاؤں، مصائبوں، احادثیں، اصحابوں، خوارجوں، شہداؤں، امرایان، اقرباؤں، ان ساری باتوں سے واضح ہو جانا چاہیے کہ ہمارے زبان کی ترویج وواشاعت میں کربل کتھا کا بڑا اہم کردار ہے۔ اس کتاب کو بلحاظ نمونہ ادب کے کیا بلحاظ صرف ونحو کے یہ کتاب بجا طور پر زبانِ اردو کی گم شدہ کڑی کہی جاسکتی ہے۔

حوالہ جات

1۔ کربل کتھا، فضل علی فضلی، مرتبہ مالک رام ومختار الدین احمد، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات اُردو، پٹنہ، اکتوبر 1956ء ص 36۔37

2۔ کربل کتھا، فضل علی فضلی، مرتبہ مالک رام ومختار الدین احمد، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات اُردو، پٹنہ، اکتوبر 1956ء ص 15

3۔ تاریخ ادب اُردو، ڈاکٹر جمیل جالبی، مجلس ترقی ادب، جلد دوم، لاہور، مارچ 1994ء ص 1027۔1028

Vol.2 No.4 2019
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

4۔ تاریخ ادبیات ہندوستانی، گارساں دتاسی، مشمولہ، دیباچہ، تاریخ ادب اُردو، ڈاکٹر جمیل جالبی، مجلس ترقی ادب، جلد دوم، لاہور، مارچ 1994ء ص 1029

5۔ کربل کتھا، فضل علی فضلی، مرتبہ مالک رام و مختار الدین احمد، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات اُردو، پٹنہ، اکتوبر 1956ء ص 143۔144

6۔ ایضاً ص 83

7۔ ایضاً ص 187

8۔ ایضاً ص 199۔200

9۔ ایضاً ص 38

10۔ ایضاً ص 39

11۔ ایضاً ص 136

12۔ ایضاً ص 197

13۔ ایضاً ص 66

14۔ ایضاً ص 105

15۔ ایضاً ص 135

16۔ ایضاً ص 97

17۔ ایضاً ص 230

18۔ ایضاً ص 260

19۔ ایضاً ص 255

20۔ ایضاً ص 255

21۔ ایضاً ص 66

22۔ ایضاً ص 147

23۔ ایضاً ص 166

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.2 No.4 2019

24۔ ایضاً ص171

25۔ ایضاً ص273

26۔ ایضاً ص255

27۔ ایضاً ص111